

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشارات

اگر کسی شخص کا اندازہ کسی معاملہ میں صحیح نکلے تو اس سے بالعموم بڑی مسرت ہوتی ہے کیونکہ اس سے اس کی ژرف نگاہی اور پیش بینی کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن اندازہ کی صحت پر احساس خود اعتمادی پیدا ہونے کے باوجود انسان بسا اوقات اس بات کا شدید آرزو مند ہوتا ہے بلکہ خدا کے حضور میں گڑگڑا کر دعائیں مانگتا ہے کہ فادِ مطلق اس کے اندازوں کو غلط ثابت کر دے۔ ہم جب اپنے کسی عزیز کی صحت کو مُرعت کے ساتھ گرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس مہلک مرض میں وہ غریب مبتلا ہے اس سے شفا یابی کے بھی امکانات قریب قریب معدوم ہیں تو اس کے حسرتناک انجام کے بارے میں یقینی اندازے کے باوجود ہمارا دل یہ چاہتا ہے کہ خدا کرے اس عزیز کے بارے میں ہمارے خدشات غلط ثابت ہوں اور شافی مطلق ہمارے اندازے کے برعکس اسے جلد از جلد شفا یاب کر دے۔

پاکستان کے مستقبل کے بارے میں قریب قریب اسی طرح کے احساسات ہر اس شخص کے اندر پائے جاتے ہیں جو اسلام اور اس کی نسبت سے پاکستان کے ساتھ گہری محبت رکھتا ہے۔ سعادت کا دھارا جس طرح جارہا ہے اسے دیکھنے سے اس مملکت کے ہر دروہند شہری کو سخت نشوونیش لاستی ہوتی ہے کیونکہ اسے بادی تا قاتل اس امر کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ملکی ترقی کے بارے میں بلند بانگ دعووں کے باوجود جو ارباب اختیار صبح وشام کرتے ہیں، ملک تباہی کے راستہ پر گامزن ہے اور کسی خوفناک انجام سے دوچار ہونے والا ہے۔ لیکن اس اندوہناک حقیقت کا شعور رکھتے ہوئے بھی دل بہر حال یہی چاہتا ہے کہ کاش ایسا نہ ہو، اور خداوند تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے کام لیتے ہوئے ہمارے یا اس آگیز اندازوں کو غلط ثابت

کر دے، کیونکہ یہ وہ انداز ہے جس کا صحیح ثابت ہونا پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے انتہائی تشویشناک ہے۔ اس وقت ملکی حالات کا مشاہدہ کرنے والوں اور اس مشاہدے کی روشنی میں پاکستان کے مستقبل کا اندازہ کرنے والوں کی عجیب و غریب کیفیت ہے۔ وہ جب ملک کی المناک صورت حال اور اس سے پیدا ہونے والے دردناک نتائج پر غور کرتے ہیں تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ خصوصاً جب انہیں اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ملک کے اندر اب اس قدر بگاڑ پیدا ہو چکا ہے کہ اس کی اصلاح کی بنیاد پر کوئی صورت ممکن نظر نہیں آتی، لیکن ان کے ذہن ان رُوح فرساحقائق کو جاننے کے باوجود حسرتناک انجام کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے اور تاریکیوں میں گہر کر بھی وہ کسی خوش کنی انجام کی توقع باندھ لیتے ہیں۔

ہماری توقعات خواہ کتنی ہی دلفریب ہوں اور ہمارے دل ناخوشگوار حالات سے اچھے نتائج اخذ کرنے کے لیے خواہ کتنے ہی بیتاب ہوں، لیکن ہم اسے ملک اور قوم کے حق میں کوئی خیر خواہی نہیں سمجھتے کہ اہل پاکستان کو حقائق سے انماض برتنے کا درس دیا جائے اور انہیں ایک ایسی رجائیت سے لذت آشنا کرنے کی تذر کی جائے جس کی سرے سے کوئی ٹھوس بنیاد موجود نہ ہو۔ انسان کو بلاشبہ یاس و قنوطیت کا شکار نہ ہونا چاہیے کیونکہ جس شخص پر اس کے منحوس سایے پڑ جاتے ہیں وہ لختہ پاؤں توڑ کر بیٹھ جاتا ہے، لیکن ہم اسے کوئی عقلمندی نہیں سمجھتے کہ ملکی حالات رُوبہ تترتل ہوں اور ہم عوام کو یہی باور کراتے رہیں کہ ان کا وطن عنقریب اس کرف ارضی پر ہیبت کا نمونہ پیش کرنے والا ہے۔ ہم اس فریب دہی سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں اور قوم کے سامنے ملکی حالات کی صحیح تصویر پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ اصلاح احوال کے لیے فکر مند ہو۔

اپنے ملک کے مستقبل کے بارے میں سب سے زیادہ دلفکار اور تشویشناک حقیقت جو اب پوری طرح کھل کر سامنے آچکی ہے، یہ ہے کہ اس ملک کو اسلام کی تجربہ گاہ نہیں بلکہ اشتراکی مزاج کی حامل غیر مذہبی ریاست بنایا جا رہا ہے، اور خدمت اسلام کے متعلق حکومت کے سارے بلند بانگ دعوے، اور اس کی سر بلندی کے لیے نیک اور مقدس آرزوؤں کا پیہم ظہار اور اس سے محبت و عقیدت کے مختلف مظاہرے سب نمائشی کام ہیں تاکہ اندرون ملک اور بیرون ملک اگر اسلام کا نام لینے سے کچھ حلقوں کی حمایت حاصل کی جاسکتی ہو تو اسے حاصل کر لیا جائے ورنہ جہاں تک اسلام سے حقیقی دل بستگی اور قلبی وابستگی کا تعلق

ہے اُس کا حال تو اب سب کو معلوم ہو چکا ہے۔ اس وقت ایک فرد پورے ملک کے سیاہ و سفید کا مالک ہے۔ اسی کے اشارہ اور نئے چشم سے یہاں سارے معاملات طے کیے جاتے ہیں۔ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ارکان کی بہت بڑی اکثریت اسی کے تیور دیکھ کر کوئی رائے قائم کرتی اور کوئی قدم اٹھاتی ہے۔ اتنے غیر محدود حاکمانہ اختیارات رکھنے کے باوجود اگر اسلام کے عمل نفاذ سے گریز کیا جاتا ہے تو اسے پاکستان کے دینی مستقبل کے لیے کوئی خوش آئند بات نہیں کہا جاسکتا۔

معاملہ اسلامی نظام کے نفاذ سے گریز کا ہی نہیں بلکہ اُس غلط رجحان کا ہے جسے اسلام کے مقابلے میں تقویت، بہم پہنچانی جا رہی ہے۔ اسلام ایک ہمہ گیر و فاضلہ معیات ہے۔ اس لیے وہ افکار و معتقدات سے لے کر اخلاق و قانون، معیشت و سیاست، تہذیب و تمدن، اور ادب و فن کے بارے میں اپنا ایک مخصوص نقطہ نظر رکھتا ہے، اور اس بنا پر کسی ایسے نظریہ یا طرز عمل کو گوارا نہیں کر سکتا جو اس سے واضح طور پر متصادم ہو۔ اب اگر کوئی حکومت اسلام کی محبت کا دم بھج کر اُن فکری رجحانات اور عملی سرگرمیوں کی سرپرستی کرے جو دینی حق کی عین ضد ہیں تو اس کا راندہ اصولی حکمرانی سے ممکن ہے ایک سے زیادہ طبقوں کو کچھ وقت کے لیے بے وقوف بنایا جاسکے لیکن اس سے عظمتِ اسلام کی راہ تو ہموار نہ ہوگی، بلکہ ملک کے اندر شدید نوعیت کا فکری خلفشار اور عملی انتشار پھیلے گا، جو بالآخر ملت کے لیے بڑے مہلک نتائج پیدا کرے گا۔ نصب العین کے بارے میں واضح شعور اور اُس کے متعلق پوری یکسوئی حاصل کیے بغیر تو ایک فرد بھی کسی قرینہ کے ساتھ زندگی بسر نہیں کر سکتا کجا کہ ایک قوم کو مختلف کشتیوں میں سوار کر کے اور انہیں مختلف سمتوں کی طرف کھینے کے بعد اُسے یہ مزدہ جانا نفازا سنا یا جائے کہ اُس کی منزل قریب آرہی ہے۔ تولید فکری اور پریشانی نظری سے قوموں کے اندر تعمیر و ترقی کی سلا جینیں نہیں ابھرتیں بلکہ تخریب کے رجحانات ہی پرورش پاتے ہیں جو اُس کی اجتماعی زندگی کو عذاب بنا کر رکھ دیتے ہیں۔

آپ اگر پاکستان کی تاریخ میں حکمرانوں کے سیاسی کردار کا جائزہ لیں تو آپ کو ایک دو قابل احترام مستثنیات کے علاوہ ایک رجحان بڑا نمایاں نظر آئے گا کہ یہاں جو شخص بھی مسندِ اقتدار پر براجمان ہوا اُس نے دینِ اسلام سے اپنی گہری محبت کا اظہار و اعلان تو ضرور کیا لیکن اللہ تعالیٰ کے دینِ برحق کو اس

ملک کا دستور عمل بنانے کے لیے کوئی قابل ذکر کوشش نہ کی، بلکہ اجتماعی معاملات میں اسلام سے ان فرماؤں کی عدم دلچسپی دیکھ کر یوں احساس ہونے لگتا ہے کہ وہ حق اور باطل کی باہمی آویزش میں خاموش تماشائی بن کر گوناگوں لذت محسوس کرتے رہے ہیں۔ ظاہرات ہے کہ ان کی غیر جانبداری کا فائدہ باطل ہی کو پہنچتا ہے اور اس کے اندر آگے بڑھنے کی جرات اور حوصلہ پرورش پانچکا ہے۔ چنانچہ زمان کی حد تک اسلام کے ان شیدائیوں اور عملی زندگی میں اسلام کے ان خاموش تماشائیوں کے ناقابل فہم طرز عمل کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ جو ملک اسلام کے نام پر بے پناہ قربانیوں سے حاصل کیا گیا تھا وہاں کچھ افراد اور گروہوں کے اندر دین حق کے خلاف کھلم کھلا دل آزاریاں کرنے کی جسارت پیدا ہو چکی ہے۔

سوال یہ ہے کہ آخر اس ملک کا حکمران طبقہ اسلام کے بارے میں اس طرح کا غیر محقول اور ناپسندیدہ رویہ کیوں اختیار کر رہا ہے۔ کیا اس کی وجہ اس کی پست ہمتی ہے یا دینی تقاضوں سے عدم واقفیت۔ نیتوں کا حال تو خدا ہی بہتر جانتا ہے لیکن ہم نہ تو ان حضرات کو دوں ہمت سمجھتے ہیں، اور نہ دین اسلام اور اس کے منطقی تقاضوں سے نا آشنا! اگر یہ لوگ دوں ہمت ہوتے تو اپنے گوناگوں امراتہ عزائم کی تکمیل میں وہ ایسا جاہرا نہ طرز عمل اختیار نہ کرتے جیسا کہ انہوں نے اختیار کیے رکھا ہے۔ اسی طرح ان کے بارے میں عقل یہ بھی باور کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی کہ وہ دین اور اس کے تقاضوں کو نہ جاننے کی وجہ سے بسا اوقات ایسی حرکات کر بیٹھتے ہیں جو دینی حلقوں میں اضطراب پیدا کر دیتی ہیں۔ ان حضرات کی غیر دینی سرگرمیوں کا اگر وقت نظر سے جاترہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ وہ پورے شعور اور مضبوط ارادے کے ساتھ ایک ایسی غلط راہ پر گامزن ہیں جس سے حق کی منزل دور اور باطل کی منزل قریب تر ہو رہی ہے۔ البتہ قوم کو بڑے پُر فریب انداز میں غلط سمت کی طرف آگے دھکیل جا رہا ہے کہ اس کی عظیم اکثریت کو اس امر کا احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ جس خوفناک راہ پر گامزن ہے اس کا انجام کار کیا ہے۔ آپ ان حکمرانوں کی ہنرمندی اور نیکو کاری ملاحظہ فرمائیں کہ اسلام کے نام پر جو نائنوشی کام ممکن ہو سکتے ہیں، انہیں کرنے میں وہ بڑی سرگرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن جو کام دین کی بنیاد اور اساس کی حیثیت رکھتے ہیں انہیں یا تو برابر ٹالاجاتا ہے یا ان کے بارے میں مختلف قسم کی غلط فہمیاں پھیلانے کی پیہم کوششیں کی جاتی ہیں۔ آج ہماری حکومت کو سب سے زیادہ دلچسپی مزاروں پر عرسوں کا اہتمام کرنے، میلے لگانے اور فوالی کی

مغنیوں منعقد کرانے سے معلوم ہوتی ہے اور ان کاموں کو وہ اپنی بیش قیمت خدمات کے طور پر قوم کے سامنے پیش کرتی ہے اور ان "نائشی کاموں" کے برعکس وہ کام جو فی الحقیقت دین کی اساس اور بنیاد ہیں ان سے ایک لگے بندھے منصوبے کے تحت مسلسل پہلو تہی کی جا رہی ہے۔ جہاں تک منکرات کے استعمال کا تعلق ہے اس میں سارے دینی طبقے ایک دوسرے سے پوری طرح متحد و متفق ہیں لیکن ان برائیوں سے قوم کو نجات دلانے کا قطعاً کوشش نہیں کی جاتی۔ خود حکومت کی طرف سے شائع کردہ اعداد و شمار اس بات کی شہادت فراہم کر رہے ہیں کہ ملک کے اندر شراب، اجوا اور فسق و فجور کا کاروبار زوروں پر ہے۔ کیا حکومت ان منکرات کی بیخ کنی سے عاجز ہے یا وہ جان بوجھ کر اس فریضے کی ادائیگی میں غفلت اور کوتاہی کر رہی ہے؟ اس ملک کے حکمرانوں کے خشکیوں تیور دیکھتے ہوئے پہلی توجیہ تو کسی اعتبار سے بھی قابل قبول معلوم نہیں ہوتی۔ برسر اقتدار طبقوں کا یہی معاندانہ طرز عمل بھلائیوں کے مصلحت میں نمایاں ہے۔ اصحاب اقتدار کی اسلام کے بارے میں اس غلط روش کو جسے کسی ناسمجھی کی بنا پر نہیں بلکہ جان بوجھ کر اختیار کیا گیا ہے، دیکھتے ہوئے یہ حقیقت پوری طرح منکشف ہو جاتی ہے کہ انہیں اسلامی نظام حیات کا نفاذ کسی طرح گوارا نہیں بلکہ اس کی جگہ اسلام کے لیبل کے ساتھ غیر اسلامی نظام زندگی کی عملداری مقصود ہے۔

بعض لوگ استعجاب کے عالم میں پوچھتے ہیں کہ جب اس ملک کے حکمران اپنے وسیع اختیارات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جو چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں، تو آخر یہ کھل کر اسلام سے اپنی بیزاری اور عداوت کا اعلان کیوں نہیں کر دیتے؟ اس غیر مخلصانہ روش سے جو انہوں نے دین حق کے متعلق اختیار کر رکھی ہے ان کی عزت میں کوئی اضافہ نہیں ہوا بلکہ کمی ہی ہوئی ہے۔ اگر انہیں اشتراکیت پسند ہے تو انہیں پوری کیسوی کے ساتھ اس ملک میں اس لادینی نظام کو نافذ کر دینا چاہیے۔ اسلام کے نام پر اشتراکیت کی سر بلندی کا ناپاک عزم ملک اور قوم کی کوئی مفید خدمت نہیں۔ آخر روس اور چین کے حکمرانوں نے عوام کے مذہبی جذبات کو کچلتے ہوئے وہاں اشتراکی نظام نافذ کیا ہے۔ اگر وہاں یہ خوبی ڈرامہ کھیلا جا سکتا ہے تو پاکستان میں اس سے کیوں گریز کیا جا رہا ہے؟ ہمیں افسوس ہے کہ اس ہیچ پرسونے والوں نے حقائق و حالات کا صحیح تجزیہ نہیں کیا۔ پاکستان ایک ایسا ملک ہے جس کی عظیم اکثریت اسلام سے جذباتی لگاؤ رکھتی ہے۔ پھر اس کے

قلب و دماغ میں ابھی تک اپنی منزل کا شعور کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ دینی روایات عوام کے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے ہیں۔ ان حالات میں حکمران طبقہ کی طرف سے اسلام کے خلاف کسی علانیہ بغاوت کا اظہار اس کے لیے بہت زیادہ مشکلات اور مسائل پیدا کر سکتا ہے جن سے عہدہ برآ ہونے کی یہاں کے حکمرانوں میں اہمیت نظر نہیں آتی۔

مزید برآں اس ملک کے بااختیار طبقہ کو اس بات کا بھی پوری طرح علم ہے کہ اللہ کے دین کو مٹانے کے لیے مختلف ممالک میں جو سازشیں ہوئی ہیں ان کا کیا حشر ہوا ہے! اسلام کو جس شدت کے ساتھ مختلف مقامات پر دبا گیا وہ اس سے کہیں زیادہ قوت کے ساتھ آجرا اور نہ صرف عوام کی توجہ کا مرکز بنا بلکہ اس نے مسلم معاشرے میں اپنے لیے لاتعداد فداقی اور جان نثار پیدا کیے اور غیر مسلم حلقوں کو اچھا خاصا متاثر کیا۔ چنانچہ نژاد کے اس ناکام تجربہ کو دیکھتے ہوئے اب دینِ حق کے اثر و نفوذ کو روکنے کے لیے یہ حیرت انگیز اختیار جاری ہے کہ مسلم معاشرے میں ایسا ہمہ گیر انتشار پیدا کیا جائے جو اسلام کے اساسی معتقدات سے لیکر اس کی عملی جزئیات تک سب پر پوری طرح محیط ہوتا کہ افراد ملت کے دل و دماغ پریشان فکر ہی کی وجہ سے صحیح طور پر کام کرنا چھوڑ دیں۔ ان کی قوتِ عمل تذبذب کی بنا پر مفلوج ہو جائے اور نا اُمیدی کے سیاہ بادل ان کے مستقبل کو تاریک بنا دیں۔

معلوم نہیں ہمارے ملک کے حکمرانوں نے تاریخ سے کبھی کوئی اچھا سبق سیکھا ہے یا نہیں، لیکن یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ وہ ماضی اور حال کے گھٹانوں سے بھولوں کو چھوڑ کر کانٹے چننے میں بڑے مشتاق ہیں اور یہ کام اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کر کرتے ہیں کہ یہ کانٹے دوسروں کے لیے تو باعثِ آزار ہو سکتے ہیں لیکن ان کے لیے ہر حال میں موجبِ راحت ہی ہوں گے۔ چنانچہ ہمارے ملک کے حکمران ان کانٹوں کا تاج بنا کر بخوشی پہن لیتے ہیں اور اُس وقت تک اُسے اپنے سر سے جدا نہیں کرتے جب تک کہ تاج میں جڑے ہوئے یہ کانٹے ان کے سروں کو پوری طرح لہو لہان نہیں کر دیتے۔ ان حضرات نے حالات اور واقعات کے مشاہدے سے جھلائی کی کوئی بات اخذ کرنے کے بجائے ہمیشہ بُرائی ہی اخذ کی ہے۔ یہاں ہم اپنے ملک کے حکمرانوں کے منہی رجحانات کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

تاریخ کے مطالعہ سے ہمیں ایک اہم سبق یہ ملتا ہے کہ کسی قوم کی تباہی و بربادی کا سب سے بڑا سبب اُس کا فکری انتشار ہے۔ جو قوم اس مرض سے محفوظ ہے وہ ہر قسم کے خارجی اور داخلی باؤ کو برداشت کر سکتی ہے۔ اگر وہ ایک مرتبہ ذہنی خلفشار میں مبتلا ہو جائے تو پھر وہ جلد ہی بحیثیت ایک باؤ را اور آبرو مند قوم صفحہ مہنتی سے مرٹ جاتی ہے۔ یہ تاریخ کا ایک ایسا سبق ہے جسے وہ غلط قوم کے ارباب بست و کشاد اگر صحیح طور پر اخذ کر لیں اور اُس کی روشنی میں تعمیر و ترقی کا کوئی منصوبہ تیار کر کے سرگرم عمل ہوں تو قوم کے زوال کو عروج میں بدلا جاسکتا ہے۔ لیکن اسی خلفشار کے متعلق تاریخ کےوراق ہمیں اس امر کا بھی پتہ دیتے ہیں کہ اگر کوئی قوم اس مہلک عارضہ میں گرفتار ہو جائے تو اسے بڑی آسانی کے ساتھ آمریت کی ظالمانہ جکڑ بندیوں میں جکڑا جاسکتا ہے۔ چنانچہ جب بھی کوئی قوم یا معاشرہ انتشار کی نذر ہوا تو آمرانہ مزاج رکھنے والے افراد نے اُس موقع کو غنیمت جان کر حالات کو اس حد تک بگاڑا کہ اُس کے لیے آمریت کی اغوش میں پناہ لینے کے علاوہ کوئی چارہ کار باقی نہ رہا۔ روس میں اشتراکیت کو اسی خلفشار کے اندر غلبہ حاصل ہوا۔ چین میں افرانفری کی فضائے اشتراکیت کے لیے راہ ہموار کی۔ اب حال ہی میں اٹلی کے اندر اشتراکیت کے حق میں جو انقلاب برپا ہوا ہے وہ بھی خلفشار کا ہی نتیجہ ہے۔ اس بد نصیب ملک میں سب سے پہلے فکری انتشار پھیلنا ہوا اور اُس کے بعد زندگی کے سارے شعبے جنگل کی آگ کی طرح اُس کی لپیٹ میں آ گئے۔ ان صفحات میں اس انتشار کا جھبیا تک نقشہ ساری تفصیلات کے ساتھ پیش نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں ہم اس کے چند گوشوں کی نقاب کشائی کرتے ہیں۔ درج ذیل معلومات امریکہ کے مشہور جریدہ "نیوزویک" (۲۶ اپریل) سے اخذ کی گئی ہیں۔

"اس خلفشار کے اسباب واضح ہیں۔ ملکی معیشت تباہی کے دہانے پر پہنچ چکی ہے۔ بے روزگاری بڑی سرعت کے ساتھ بڑھتی جا رہی ہے۔ ملکی سکیرا کی قدر و قیمت میں گڈتہ دو ماہ میں ۲۷ فیصد کمی ہوئی ہے، اور چونکہ ملکی پیداوار کا چوتھائی حصہ درآمدات پر منبج ہو رہا ہے، اس لیے افراط زر اور قیمتوں میں تیزی کے ساتھ اضافہ بالکل یقینی ہے۔"

فاضل مقالہ نگار اس انتشار کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ہولناک جرائم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"اطلاوی باشندوں کے نزدیک معاشی بحران سے کہیں زیادہ (باقی اشارات برصغیر ۴۷)